SEMESTER 3 MA.URDU

CC-11 Unit 3 ALIGARH TAHREK

Presented by. Dr.Shahab Zafar Azmi,Associate Professor

Department of Urdu Patna University.Patna

Mob;8863968168 Email;drshahabzafar.azmi@gmail.com

سبق کے خدوخال

.0 مقصد

1 تعارف

2 سرسید احمد خاں کی فکر

3 سائنٹفک سوسائٹی

4 تہذیب الاخلاق

5 علی گڑھ تحریک کے مقاصد اور خدمات

6 علی گڑھ تحریک کے افقاء

7 خلاصہ

8 مشق کے لئے سوالات

9 مزید مطالعہ کے لئے کتابیں

0 مقصد

مغلوں کے زوال کے بعد جس نئی سیاسی قوّت نے غلبہ حاصل کیا وہ نہ مسلمانوں سے متعلّق تھی نہ ہندوؤں سے بلکہ وہ انگریز کی تحویل میں تھی جو امربیل کی طرح ہندوستانی زندگی پر چھائے جارہی تھی۔ یہ قوّت ایسی تھی جس کے اغراض ومقاصد ابتداً تجارتی تھے لیکن بعد میں اس نے جہانداری اور ملوکیّت کا خواب بھی دیکھنا شروع کردیا تھا۔ حیدرآباد، میسور اوراودھ پر تسلّط جمالینے کے بعد انگریز عملی طور پر ہندوستان کے بہت سے علاقے کومحکوم بنا چکے تھے۔

اوراب وسطی ہند میں مرہٹوں۔ پنجاب میں سکھّوں اور سندھ میں امیرانِ سندھ کو زیرنگیں بنانے اور تاجری کو تاجوری میں تبدیل کرنے کے منصوبوں پر غور کررہے تھے۔ انگریزوں کی اس فتحیابی نے فکرونظر کی مغربی روکو پنپنے، پھیلنے اور پھر غلبہ پانے کا موقعہ دیا۔ چنانچہ انیسویں صدی میں سیّد احمد بریلوی اور سرسیّد احمد خاں، دیانند سرسوتی اور راجہ رام موہن رائے، ولزلی اور ڈلہوزی وغیرہ ہندوستان میں فکر کی تین اہم قوّتوں کی صورت میں اُبھرے اور ان سب نے ہندوستان کے منظر کو الگ الگ جہتوں اور مخصوص قومی مقاصد کے نقطہ ہائے نظر سے متاثر کرنے کی سعی کی۔ اقتدار کی سیاسی قوّت چونکہ انگریزوں کے ہاتھ میں تھی اس لئے معاشی معاشرتی اور سیاسی مطلع پر اس قوّت نے زیادہ اثرات ثبت کئے۔ سیّد احمد بریلوی نے مسلمان قوم کے جزبۂ جہاد کو متحرّک کیا۔ دیانند سرسوتی نے قدیم آریائی سماج کے احیا کی کوشش کی۔ جبکہ راجہ رام موہن رائے اور سرسیّد احمد خاں نے اپنی آنکھیں مستقبل کی طرف کھولیں، نئے نظریّات، افکار اور علوم کو قبول کرنے کے لئے تصادم سے گریز اختیار کیا اور قوم کو نئی روشنی قبول کرنے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ اس زمانے میں برہمو سماج، آریہ سماج، تحریک سیّد احمد بریلوی، تحریک دہلی کالج اور علی گرھ تحریک وغیرہ اُبھریں جو فکری لحاظ سے زیادہ اہم تھیں۔ ان میں سے چند تحریکوں نے رزم آرائی کی کوشش کی۔ جبکہ دوسری بیشتر تحریکوں نے کشور کشائی کے برعکس قلوب مردہ میں تحریک پیدا کیا ورمحکومی کے جذبات کو ذہنی آزادی سے مغلوب کرنے کی کوشش کی۔ ان میں سرسیّد احمد خاں کی تحریک اس لئے اہم ہے کہ اس کا آغاز محکومی کا دائرہ مکمل ہوجانے کے بعد ہوا اور اس تحریک نے مسلمانوں کا جمود اور غلامی کا حصار توڑ کر مستقبل کی تعمیر کی زمہ داری قبول کی۔ اس لحاظ سے علی گڑھ تحریک مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کی فکری تحریک تھی۔ اس اکائی کا مقصد طلبہ کو اس تحریک کے محرکات اور خدمات سے واقف کرانا ہے۔

1 تعارُف

علی گڑھ تحریک کا بیج ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی سے پھُوٹا تھا اگر یہ جنگ نہ ہوتی تو شاید اس تحریک کے محرّکِ اوّل سرسیّد احمد خاں کی زندگی کا دھارا مختلف سمت میں رواں ہوتا اور وہ اپنی پرانی شہرت میں ہی آسودگی محسوس کرنے لگتے۔ سرسیّد احمد خاں سقوطِ دہلی سے قبل علمی۔ ادبی، سیاسی اور تہذیبی حلقوں میں متعارف ہوچکے تھے اور انہوں نے رفاہِ عامہ کے امور اور تصنیف وتالیف کے کاموں میں دلچسپی لینا شروع کردی تھی۔ چنانچہ ۱۸۴۱ء سے لیکر ۱۸۵۷ء تک انہوں نے پندرہ کتابیں تالیف کیں۔ ان کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سرسیّد کو مزہب اور تاریخ سے یکساں دلچسپی تھی اور ان کا تفکّر، سائنسی اندازِ نظر اور علومِ مفیدہ کی ترویج کے لئے کوشاں تھا۔ سرسیّد کی ذات میں قدامت اور جدیدیت دونوں کا امتزاج موجود تھا۔ انہوں نے مسلمانوں کے روشن ماضی سے عظمت ورفعت کا تصوّر حاصل کیا لیکن اس تصوّر

میں رنگ آمیزی مغربی علوم سے کی۔ چنانچہ ان کی شخصیّت سے ایک ایسی تحریک پھوٹی جس نے اسلامیانِ ہند کو اپنی جداگانہ حیثیت کا احساس دلا دیا۔

2 سرسید احمد خاں کی فکر

ایّامِ جوانی تک سرسّد کے عادات وخصائل عام لوگوں جیسے ہی تھے اور ان میں کسی بڑی تحریک کا نقطۂ آغاز بننے کی صلاحیّت نظر نہیں آتی۔ ان کی قائدانہ صلاحیتوں کو اس عہد کے تاریخی اور معاشرتی حالات نے پروان چڑھایا اور تبدیلی کا یہ سست رفتار عمل خود تنقیدی کا بلاواسطہ نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔ سرسیّد کے خیالات میں انقلابی تغیّر کا ایک اہم ماخذ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی ہے۔ دوسری طرف قومی سطح کو چھوڑ کر صرف مسلمانوں کی قیادت کا خیال ہندوؤں ک ہندی پرستی کا ردِ عمل ہے۔ ان واقعات نے سرسیّد کو متاثر کرنے اور علی گڑھ تحریک کو بارور کرنے میں بڑی مدد دی۔ تاہم ایک بڑے مقصد کی طرف یہ پیش قدمی اضطراری نہیں تھی بلکہ اس کے پس پت بہت سے عوامل کارفرما نظر آتے ہیں۔ مثال کے طور پر سرسیّد پر راجہ رام موہن رائے کے اثرات سے انکار ممکن ہیں۔ ڈاکٹر محمد اشرف نے لکھا ہے کہ ''مغربی تہذیب، انگریزی تعلیم، پارلیمنٹری طرزِ حکومت، اصلاحِ معاشرت، مذہبی برلزم، عقلیت پسندی، اخبار نویسی، حتیٰ کہ سادہ طرزِ تحریر شاید ہی کوئی ایسا عقیدہ ہو جس میں سرسیّد راجہ رام موہن رائے کے قدم بہ قدم نہ چلے ہوں۔ سرسیّد نے راجہ رام موہن رائے کی طرح نئے علوم کے لئے ذہن کی کھڑکیا کھلی رکھیں، اور برہمو سماج کے انداز میں علی گڑھ تحریک چلائی تو اس کی کامیابی کے لئے سکول، کالج، انجمنیں اور اخبارات جاری کئے۔ اور حکومت سے براہِ راست تصادم میں قوّت جائع کرنے کے بجائے اسے تعمیری مقاصد میں صرف کیا۔ چنانچہ سرسیّد نے علی گڑھ تحریک کا سرمایۂ قیادت ایک ایسی تحریک سے اخذ کیا جو اس سے قبل اہلِ ہند کے شعور اور لاشعور پر مثبت انداز میں اثر ڈال چکی تھی۔

سرسیّد کی مزاج سازی میں دلّی کالج کی علمی تحریک نے بھی اہم کردار ادا کیا۔ دلّی کے قیام کے دوران اس کالج کی چند سر برآوردہ شخصیتوں سے سرسیّد کا رشتۂ محبت استوار ہوا اور انہوں نے ڈکٹر اسپرنگر اور مسٹر کارگل سے مسائل کے سائنسی تجزیے اور تصنیف وتالیف کے نئے انداز سیکھے۔ سائنٹیفک سوسائٹی غازی پور کا قیام اور مفید انگریزی کتب کے تراجم اور ایک اخبار کا اجراء وغیرہ چند ایسے اقدام ہیں جن میں دلّی کالج کی سابقہ مثالوں پر ہی عمل کیا گیا ہے۔

شیخ محمد اکرام نے ''موجِ کوثر'' میں سرسیّد کے مذہبی ماحول کو بھ اہمیّت دی ہے۔ تاہم انہوں نے اپنے ننھیال کی روایت اور مذہب کی تقلیدی صورت کو من وعن قبول نہیں کیا۔ بلکہ ایک وسیع النظّر رہنما کی طرح ان اثرات کو اجتہادی عمل سے ڈھالنے کی کوشش کی ہے۔ سرسیّد کے اجتہاد کے سرچشمے گھر کی چاردیواری سے نہیں پھوٹے، بلکہ ان کا

ماخذ مغربی علوم کا بحرِ ذخّار ہے۔ اور سرسیّد کی خوبی یہ ہے کہ انہوں نے ان اثرات کی تہذیبی اور علمی صورت کو علی گڑھ تحریک کے داخلی مزاج مین شامل کر دیا۔

سرسیّد کا موقف یہ تھا کہ ہندوستانیوں کو معاملاتِ حکومت سے الگ رکھ کے انگریزوں نے رعایا کا اعتمد حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اس کے برعکس حکومت نے مذہبی مبلّغ کا کردار ادا کیا اور ایسے اقدامات کئے جن سے ہندوستانیوں کے مذہبی جذبات سروع ہوئے۔ سرسیّد کو یہ اندازِ عمل اس لئے اختیار کرنا پڑا کہ سیّد احمد شہید کی تحریک جہاد وامامت جس نے ولولۂ بیدار کا مظاہرہ کیا تھا اندرونی سازشیوں کی وجہ سے ناکام ہو چکی تھی۔ مغل بادشاہت اور نفسِ ملوکیّت بھی پیش پا افتادہ ہو کر ناکارہ ہو چکے تھے۔ جنگِ آزادی کی مکتلف قوّتوں میں ہم آہنگی اور اتّا فاق نہیں تھا۔ چنانچہ دلّی میں مغل بادشاہت کی بحالی ک کوشش ہو رہی تھی تو دوسری طرف مولانا محمد قاسم نانوتوی سیّد احمد شہید کی تحریک کے احیاء کے آرزومند تھے اور مجاھدین دِلّی کالج کو نذرِ آتش کر رہے تھے کہ اس کی تعلیم سے بے دینی کی بُو آتی تھی۔ کلکتہ میں انگریزون کی حمایت میں مظاہرے ہو رہے تھے اور ان لووں کی نظر میں شاہ ظفر اور مجاہدین جاگیردارانہ رجعت پسندی کے ترجمان تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ راجہ رام موہن رائے کی تحریک اب ثمرات بکھیر نے لگی تھی اور ہندوؤں کا تعلیم یافتہ طبقہ ملکی معاملات کو مخصوص زاویے سے دیکھنے کا عادی ہو چکا تھا لیکن مسلمانوں نے غیر مصالحانہ رویّہ اختیار کیا اور انگریز دشمنی کو مذہب کا جزو بنالیا۔ سرسیّد بھی ایک زمانے میں سیّد احمد بریلوی کی تحریکِ جہاد کو تھسین کی نظروں سے دیکھتے تھے لیکن قیام دہلی کے دوران حالات کا تجزیہ غیر جانبداری سے کیا تو ان کے نظریات میں بتدریج تبدیلی آتی چلی گئی اور انہوں نے حکومت سے متصادم ہونے کے بجائے مگربی علوم کے حصول اور مقاومت کمترین کے لئے انگریز سے مفاہمت کی راہ ہموار کی۔ رسالہ ''اسباب بغاوت ہن'' میں انہوں نے نہ صرف انگریزوں کو موردِ الزام ٹھہرایا بلکہ انہین بالعموم انہیں حربوں سے شکست دینے کی کوشش کی جو انگریز بلاواسطہ طور پر مسلمانوں کے خلاف استعمال کر رہے تھے۔ چنانچہ اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا درست ہے کہ سرسیّد نے اپنے مقاصدِ ملّی سے انحراف نہیں کیا بلکہ انہوں نے اپنی قومی جنگ جاری رکھی اور کھُل جنگ میں توپ وتفنگ آراستہ کرنے کے بجائے جدّوجہد کی بساط کاغذ پر سجائی اور اسے دلائل سے جیتنے کی کوشش کی۔

3 سائنٹفک سوسائٹی

اولین دور میں سرسیّد کے دو اہم کارنامے غازی پور مدرسہ اور سائنٹیفک سوسائٹی کا قیام ہیں۔ مدرسے کا مقصد نونہالان، وطن کو نئ تعلیم سے روشناس کرانا تھا اور سوسائٹی کا مقصد بڑوں کو علومِ نو سے متعارف کرانا تھا۔ انگریزی تعلم

چونکہ مذہب کے خلاف تصوّر کی جارہی تھی اس لئے اس سوسائٹی نے علمی اور تاریخی کتابوں کو اُردو زبان میں منتقل کرنے کا منصوبہ بنایا۔ سرسیّد اس حقیقت سے آگاہ تھے کہ یورپ کی نشاۃ ثانیہ میں یونانی اور اطالوی زبان کے تراجم نے کتنا اہم کردار ادا کیا تھا۔ ہندوستان میں دلّی کالج کی ورنیکلر ٹرانسلیشن سوسائٹی نے دوررس نتائج پیدا کئے تھے۔ مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کے لئے سرسیّد یہی اہم کردار سائنٹیفک سوسائٹی کے ذریعے سرانجام دینا چاہتے تھے اور اس منصوبے پر انہیں اتنا اعتماد تھا کہ جب سرسیّد غازی پور سے علی گڑھ تبدیل ہوئے تو انہوں نے سوسائٹی کا دفتر بھی وہاں منتقل کر دیا۔ اور مختصر سے عرصہ میں مختلف علوم وفنون کی جو چالیس کتابیں ترجمہ ہوئیں ان میں الفنسٹن کی ''تاریخِ ہند''۔ اسکاٹ برلن کا ''علم فلاحت''، مِلؔ کی ''سیاستِ مدن''۔ ٹامسن کا رسالہ ''علم آب وہوا''۔ ہیرس کا ''رسالہ برقی''، برنارڈ سمتھ کی ''ریاضی''، جہانگیر کی ''تزکِ جہانگیری''، برنی کی ''تاریخ فیروز شاہی'' اور رولن کی ''تاریک مصر، قدیم'' کو بہت اہمیّت حاصل ہے۔

علی گڑھ سائنٹیفک سوسائٹی کا قیام معنوی طور پر علی گڑھ تحریک کا نقطۂ آغاز ہے۔ یہ اتنا بڑا اقدام تھا کہ ملک کے طول وعرض میں متعدد ادارے علی گڑھ سائنٹیفک سوسائٹی کے طرز پر قائم ہوئے۔

انگریزون کی یورش نے قدیم اور جدید کے درمیان تصادم کی فضا پیدا کر دی تھی اور یوں ہندوستان کی تہذیبی زندگی، قومی ہیئت اور ملکی حالات کو پیچیدہ مسائل سے دوچار کر دیا تھا۔ اس سوسائٹی نے رائے عامہ ہموار کرنے اور قدامت کو جدیدیت سے مغلوب کرنے کی سعی کی اور حصولِ مقصد کے لئے علی گڑھ انسٹیٹیوٹ گزٹ کا اجرا کیا۔ یہ اخبار اگرچہ ہندوستانیوں اور انگریزوں کے مابین باہمی روشناسی کا وسیلہ تھا تاہم اس کا مجموعی مزاج علی گڑھ تحریک کے ساتھ مطابقت رکھتا تھا۔ اس نے مسلمانوں میں ساسی، تہذیبی اور ادبی شعور بیدار کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ اور جہالت اور تاریکی کے دور ہوجانے کے امکانات پیا کر دیئے۔

اس زمانے میں سرسیّد نے بالعموم ایسے منصوبوں کی تکمیل کی جو مسلمانوں کے لئے مذہبی حیثیت نہیں رکھتے تھے۔ وہ قومی سطح پر سوچتے اور ہندوؤں کے مفاد کو گزند پہنچانے سے گریز کرتے۔ لیکن ورنیکلر یونیورسٹی کے قیام پر ہندوؤں نے جس رویّے کا اظہار کیا تھا اس نے سرسیّد کے دل میں مسلمانوں کی الگ قومی حیثیت کا خیال جاگزیں ہوگیا۔

سرسیّد نے ۱۸۶۹ء میں سفرِ لندن اختیار کیا۔ اس سفر کے دوران وہ زندگی کے ایک ایسے خوشگوار تجربے سے دوچار ہوئے جس نے ان کے فکروعمل کا سارا دھارا بدل دیا۔ مغرب ے عینی مشاھدے نے سرسیّد پر یہ اسرار کھولا کہ

اہلِ یورپ کی ترقّی عیسائیت کی مرہونِ منّت نہیں۔ بلکہ اس کا راز ذہنی قوّت اور طبعی علوم کی تمصیل میں پوشیدہ ہے۔ مغرب کے طریقۂ تعلیم نے سرسیّد کو بالخصوص متاثّر کیا اور وہ لندن میں قیام کے دوران ہی ایک ایسے دار العلوم کا خواب دیکھنے لگے جہاں کیمبرج کے طرز پر تعلیم کا اہتمام ہو سکے۔ اور اس ادارے کو عمل کی منزل تک پہنچانے کی ابتدا لندن کے قیام کے دوران ہی کر دی۔ چنانچہ انہوں نے مسلمانوں کے اوہام رفع کرنے اور تعلیم جدید کا مفہوم سمجھانے کے لئے سائنٹیفک سوسائٹی کے اخبار میں متعدد مضامین لکھے اور محمڈن یونیورسٹی کے قیام کے لئے زمین ہموار کرنا شروع کر دی۔ سرسیّد کا انگریزی کتابچہ ''ہندوستان کے موجودہ تعلیمی نظام پر اعتراضات'' جو لندن میں شائع ہوا، اسی سلسلے کی ایک اہم کڑی، اور علی گڑھ میں مدرستہ العلوم کا قیام اس کی عملی صورت ہے۔ مدرستہ العلوم نے علی گڑھ تحریک کیلئے گہوارے کا کام دیا اور بقول مولانا صلاح الدین احمد پروگرام کے جائے پروگرام بنانے والے پیا کئے۔ اور انہوں نے علی گڑھ کو اس نمونے پر تیار کیا کہ وہ مسلمانانِ ہند کی وحدتِ خیال کا مرکز بن گیا۔

4 تہذیب الاخلاق :

لندن میں مطالعے کے دوران ان پر یہ حقیقت بھی منکشف ہوئی کہ ڈیڑھ سو برس قبل یہاں بھی زندگی جھوٹی عداوتوں سے عیب دار تھی لیکن جب تہذیب کے دیوتاؤں نے ٹیٹلر، سپکٹیٹر اور گارڈین جیسے اخبار جاری کئے تو عام لوگوں کی توجّہ معاشرتی ناہمواریوں کی طرف ہوگئی اور معاشرہ اپنی تہذیبی اصلاح پر مائل ہونے لگا۔ چنانچہ سرسیّد نے ولایت میں ہی پختہ ارادہ کر لیا کہ مسلمانوں کی تہذیبی زندگی میں انقلاب لانے کے لئے وہ بھی اسی نوع کا اخبار جاری کریں گے۔ رسالہ ''تہذیب الاخلاق'' ان کے اسی ارادے کی تکمیل تھا۔

ڈاکٹر سید عبداللہ نے ''تہذیب الاخلاق'' کی اشاعت کو ادبی لحاظ سے سفرِ لندن کی یادگار شمار کیا ہے۔ ڈاکٹر عابد حسین نے اسے سرسیّد کے مقاصد کا ترجمان، اور ان کی آرزوؤں اور حوصلوں کا آئینہ کہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ علی گڑھ تحریک بکھری ہوئی صورت میں تو سائنٹیفک سوسائٹی کے قیام کے زمانے میں ہی معرضِ عمل میں آ گئی تھی اور سرسیّد نے مقاصد کے حصول کے لئے جِدّ و جہد بھی شروع کر دی تھی، تاہم جب سرسیّد لندن سے واپس آئے تو یہ تحریک اپنی منضبط صورت میں رونما ہوئی اور تہذیب الاخلاق نے اس تحریک کے نظریّات کی تبلیغ اور مقاصد کی تکمیل میں اعلیٰ خدمات سرانجام دیں۔ اور اس کے پہلے پرچے میں واغراض و مقاصد بیان کئے گئے ان میں علی گڑھ تحریک کے منشور کے بعض اساسی اجزاء بھی شامل تھے۔

''تہذیب الاخلاق'' کے مضامین زندگی کے تمام موضوعات کا احاطہ کرنے لگے اور یوں علی گڑھ تحریک کو جس

کے مقاصد میں مسلمانانِ ہند کو مایوسی اور قنوطیّت کے جہنّم سے نکال کر نئے علوم حاصل کرنے، مذہب کو دلائلِ عقلی سے سمجھنے، سنجیدہ علمی کاموں میں زبانِ اُردو کو استعمال کرنے اور اس کے ادب کو اعلیٰ معیار تک پہنچانا شامل تھا، ایک فعّال اور زندہ تحریک بنا دیا۔ سیّد احتشام حسین نے درست لکھا ہے کہ علی گڑھ تحریک نے ہندوستان کے عام دورِ بیداری کو وسیع تر اور مضبوط تر بنایا اور اس تحریک کو مضبوط تر بنانے میں تہذیب الاخلاق نے نشر واشاعت کا اہم فریضہ سرانجام دیا۔ چنانچہ ''تہذیب الاخلاق'' نہ صرف سرسیّد کے خیالات کا نقیب تھا بلکہ علی گڑھ تحریک کا مبلّغ اور مسلمان قوم کا مفسّر بھی تھا۔

5 علی گڑھ تحریک کے مقاصد :

علی گڑھ تحریک کو وسیع تناظر میں دیکھا جائے تو اس کے مقاصد کی توضیح مندرجہ ذیل میں زاویوں سے ہوتی ہے۔

اوّل ۔ سیاسی زاویہ۔ مسلمانون کی تہذیبی بقا۔ سیاسی ترقّی اور معاشرتی سربلندی۔

دوم ۔ مذہبی زاویہ۔ نئے علوم کی روشنی میں دینِ فطرت کو توضیح تشریح اور اوہام پرستی کا ازالہ

سوم ۔ ادبی زاویہ۔ اردو زبان وادب کا فروغ

واضح رہے کہ انسان کی شخصیّت مندرجہ بالا تین زاویوں کے متوازن امتزاج سے مرتّب ہوتی ہے۔ ان میں سے کوئی ایک زاویہ بھی نامکمل رہ جائے تو شخصیّت میں سے ایک خلا سا پیدا ہوجاتا ہے۔ اور ادھوری شخصیّت ملک اور قوم کو منفی انداز میں متاثر کرنے لگتی ہے۔ انگریزوں سے پہلے کے حکمرانوں نے برِّصغیر میں فرد کی اس مکمل شخصیّت کو مجروح نہیں کیا تھا۔ بلکہ پیوند کاری کے عمل سے اجتماعی شخصیّت میں نئے گوشے پیدا کردیئے۔ انگریزوں نے پہلی مرتبہ اس احساس کو بیدار کیا کہ اس ملک میں ایک کے بجائے دو قومیں آباد ہیں اور سیاسی میدان میں ہندوؤں کو آگے بڑھانے کے مواقع پیدا کئے۔ دوسری طرف مسلمان قوم کی مکمّل شخصیّت کو جس میں مذہب سیاست اور ادب کے تینون زاویے موجود تھے بانٹنے کے لئے دین اور دنیا میں خلیج حائل کردی۔ انیسویں صدی کی سیاسی کشمکش میں اس بات کو بھی اہمیّت حاصل ہے کہ مذہبی مدارس اور جدید مدارس کی تعلیم یک رخی تھی چناچہ اوّل الذّکر نے نئے علوم کو حاصل کرنا گناہ سمجھا اور موٴخر الذکر نے مذہب کے روحانی عنصر سے روگرانی اختیار کرلی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستانی مسلمان کی شخصیّت میں خلا پیدا ہوگیا اور ملکی سطح پر جو تصادم ہندو اور مسلمان کے درمیان اُبھر رہا تھا وہی داخلی طور پر مسلمانوں کے مختل طبقات کے درمیان بھی فروغ پانے لگا۔ سرسیّد نے اس خلا کو پُر کرنے کے لئے زندگی کے متذکرہ بالا تین زاویوں کو اہمیّت دی اور

یوں ایک مکمّل شخصیّت کو وجود میں لانے کے لئے علی گڑھ تحریک سے اساسی نوعیت کا کام لیا۔

سرسیّد احمد خاں ایسے مصلحین میں شمار ہوتے ہیں جنہوں نے مغربی اندازِ فکر، علوم اور فنون کو خندہ پیشانی سے قبول کیا اور اپنے ملک کی تہذیبی شخصیّت کو انتشار سے بچانے کے لئے مغرب کے وضع کردہ وسائل استعمال کئے۔ یہی وجہ ہے کہ سرسیّد نے انگریزوں کی حکومت کو تسلیم کر لیا۔ لیکن ان کو ہندوستانی قوم کے طور پر کبھی قبول نہیں کیا۔ ان کی رائے میں یہاں .... مسلمان اور ہندو ...... صرف دو قومیں آباد تھیں۔ ان میں سے اوّل الذّکر کے ہاتھ سے اقتدار چھین چکا تھا اور اب یہ قوم جمود اور اضمحلال کی زد میں تھی۔ موخّر الذکر قوم نے مسلمانوں کی غلامی کا جوأ اتار کر نئے بدیسی حاکموں سے مفاہمت کی راہ اختیار کر لی تھی اور حکومت کے کارخانے میں اہم خدمات سرانجام دینے کے لئے آمادہ و مستعد تھی۔

علی گڑھ تحریک نے مسلمانو کی اس پسماندگی کو سیاسی انداز میں دور کرنے کی کوشش کی اور مدرستہ العلوم کے ذریعے ان کی بصیرت کو بدرجہ اتم بڑھایا۔ اخبار تہذیب الاکلاق کے ذریعے ذہنی انقلاب کی راہ ہموار کی اور تراجم کے ذریعے ان علمی خزانوں کو مسلمانوں کے گھروں میں پھیلا دیا جو پہلے یورپ کے کتب خانوں میں مدفون تھے اور جن تک مسلمانوں کی رسائی ممکن نہیں تھی۔ چنانچہ علی گڑھ تحریک کا سیاسی زاویہ نہ صرف متحریک نظر آتا ہے بلکہ اس نے ہندوستانی مسلمانون کی سیاسی اور تمدّنی زنگی میں بھی انقلاب بپا کیا اور ایک جداگانہ قوم کا احساس پیدا کر کے سیاسی کامیابیوں کی راہ ہموار کی۔

علی گڑھ تحریک کا دوسرا اہم اویہ مزہبی نوعیت کا ہے۔ سرسیّد نے مذہب کا خول توڑنے کے بجائے اسے فعّال بنانے کی کوشش کی۔ اس لحاظ سے سرسیّد نے مذہب کی محرّک قوّت سے بھی کام لینے کی کوشش کی۔ ایک ایسے زمانے میں جب مذہب کے روایتی تصوّر نے ذہن کو زنگ آلود کر دیا تھا سرسیّد نے عقلِ سلیم کے ذریعے اسلام کی مدافعت کی اور ثابت کر دیا کہ اسلام زمانے کے نئے تقاضوں کو نہ صرف قبول کرتا ہے بلکہ نئے حقائق کی عقلی توضیح کی صلاحیّت بھی رکھتا ہے۔ سرسیّد کے عہد میں اسلام کا اجتماعی نصب العین اور اخلاقی مقاصد پس، پردہ چلے گئے تھے۔ مذہب صرف حصولِ ثواب کا وسیلہ بن گیا تھا۔ حضرت شاہ ولی اللہ نے اس جمود کو توڑنے کی کوشش کی۔ تاہم اس تحریک کا سیاسی زاویہ وسائل کی کمی اور سازشوں کی بنا پر کامیابی حاصل نہ کر سکا۔ سیّد احمد بریلوی کی شہادت اور ۱۸۵۷ء میں سقوط دہلی نے اس تحریک کی عملی قوّت کو مزید گزند پہنچایا تھا۔ کسی نئے تصادم کا منصوبہ بنانے کے بجائے سرسیّد نے اسلام کے فکری زاویے کو ابھارنے اور اس کی داخلی روح کو اجاگر کرنے کی کوشش کی۔ علی گڑھ تحریک نے اس نکتے کو واضح کیا کہ

انگریزی تعلیم اسلام کے بنیادی نظریّات پر اثر انداز نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ فقہ اور فلسفہ کے ساتھ ساتھ اس تحریک نے اسلام کی تفہیم میں عقلی نقطۂ نظر بھی استعمال کیا اور اس کی حقّانیت کو ایک نیا ثبوت فراہم کردیا۔علی گڑھ تحریک نے سرسیّد کے مذہبی افکار سے نہ صرف داخلی قوّت حاصل کی بلکہ تنگ نظری، تعصّب اور انتشار کو بھی کم کیا۔سرسیّد کی تفسیر قرآن جو انھوں نے دینیات کی صحیح تعلیم کے لئے تالیف کی اس سلسلے کی ایک مفید عملی کاوش ہے۔

علی گڑھ تحریک نے مسلمانون کے بین الاقوامی اختلافات رفع کرنے اور انہیں ایک متحدہ قوم بنانے میں مذہب کی داخلی قوّت سے کام لیا اور عوام کے اوہام اور تعصّبات دور کرنے کی کوشش کی۔سرسیّد کا ایقان یہ تھا کہ ’’قانونِ فطرت در حقیقت خدا کا فعل ہے اور جو مذہب فی الواقعہ خدا کا بھیجا ہوا ہوگا وہ خدا کا قول ہوگا۔پس اس کے فعل اور اس کے قول میں مطابقت ہونی ضروری ہے۔‘‘ چنانچہ اس کتحریک نے مذہب کی صداقت کے لئے عقلِ انسانی اور قانونِ فطرت کو معیار قرار دیا۔اسلام کی حرکی قوّت کو ظاہر کیا اور مذہبی عقائد کو اتنی پختگی عطا کردی کہ وہ مغربی علوم کے ریلے میں بہہ نہ جائیں۔اس زاویے سے دیکھئے تو علی گڑھ تحریک نے اسلام کو داخلی اور خارجی خطروں سے تحفّظ عطا کیا۔اور ہندوستان کی مٹی نے رسوم، اور توہمّات کی صورت میں جو منفی اثرات ثبت کئے تھے ان کا قلع قمع کرنے کی سعی کی۔

علی گڑھ تحریک کا تیسرا فعّال زاویہ ادبی ہے اور اس کے تحت نہ صرف اُردو زبان کو وسعت ملی بلکہ اردو ادب کے اسالیبِ بیان اور روحِ معانی بھی متاثّر ہوئی۔اور اس کے موضوعات کا دائرہ وسیع تر ہوگیا۔اس میں کوئی شک نہیں کہ اُردو زبان کے مایہ وخمیر میں پراکرت اور اپ بھرنش وغیرہ نے بھی اساسی کردار ادا کیا تھا تاہم اس کی ادبی ساخت کو مسلمانوں کے تہذیبی اثرات اور عربی اور فارسی کے عناصر نے ایک لسانیاتی انقلاب سے دوچار کردیا تھا۔اور نئے دور میں جیدی ہندی کی تحریک جو در حقیقت سنسکرت زبان کے احیاء کی تحریک تھی، اہل اُٹھی۔علی گڑھ تحریک نے لفظ کی داخلی حرکی قوّت کو پہچانا اور انسٹی ٹیوٹ گزٹ اور تہذیب الاخلاق کے ذریعے اس قوّت کو مثبت طور پر استعمال کیا۔ اٹھارہویں صدی جس میں ولیؔ دکّنی نے اُردو غزل کی ایک توانا تھریک کو فروغ دیا تھا شاعری کی صدی تھی اور اس میں شاہ حاتمؔ، میرزا مظہر جانجاناںؔ، میر دردؔ، اور میر تقی جیسے قدآور شعراء پیدا ہوئے۔تاہم نثری ادب تصوّف کے رسائل تک محدود تھا۔فورٹ ولیم کالج کی افسانوی نثر نے ایک نئی راہ دریافت کی۔دہلی کالج کی فنی اور مرزا غالب کی نجّی نثر نے اسے ترقّی کا کھلا راستہ دکھایا۔قابل غور بات یہ ہے کہ اوّل الذّکر دونوں تحریکیں کالج کی چار دیواری میں پروان چڑھیں۔اور ان تحریکوں کے زمانۂ عمل کے بہت عرصے کے بعد ان کے اثرات کا دائرہ متعیّن کیا گیا۔غالبؔ کی نثر اس کی انفرادیت کا ایک لاثانی مظہر ہے۔اس لئے اس کے اثرات صرف غالبؔ تک محدود ہیں۔غالبؔ کا اسلوبِ اظہار

یقیناً متاثر کرتا ہے۔لیکن روزمرہ کو غالبؔ کے انداز میں ادب کا آئینہ بنانا ممکن نہیں۔ چنانچہ غالبؔ ہمیں اپنی نثر کی ذاتی جمالیات میں تو شریک کر لیتا ہے لیکن وہ نثر کی کسی تحریک کا نقطہ آغاز نہیں بنتا۔علی گڑھ تحریک نے چونکہ قومی مقاصد کو پروان چڑھانے کا عہد کیا تھا اور اس کا روئے سخن خواص سے کہیں زیادہ عوام کی طرف تھا اس لئے صرف شاعری اس تحریک کی ضرورتیات کی کفیل نہیں ہو سکتی تھی۔ اس تحریک نے سستی جذباتیت کو فروغ دینے کے بجائے گہرے تعقّل، تدبّر اور شعور کو پروان چڑھانے کا عہد کیا تھا اس لئے اردو نثر ہی ان مقاصد میں معاونت کر سکتی تھی۔ چنانچہ ادبی سطح پر علی گڑھ تحریک نے اردو نثر کا ایک باوقار، سنجیدہ اور متوازن معیار قائم کیا اور اسے شاعری کے مقفّٰی اور مسجّع اسلوب سے نجات دلا کر سادگی اور متانت کی کشادہ ڈگر پر ڈال دیا۔اور یوں ادب کی افادی اور مقصدی حیثیت اُبھر کر سامنے آ گئی۔

علی گڑھ تحریک چونکہ مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کو فروغ دے رہی تھی اس لئے اس نے اسلام اور بانیٔ اسلام کے بارے میں پھیلائی گئی غلط فہمیوں کے ازالے کی کوشش کی۔ سرسیّد کی ''خطبات احمدیہ'' مولوی چراغ علی کے رسائل اور نزیر احمد دہلوی کی کتاب ''اقہات الامہ'' میں تاریخی صداقتوں کو پیش کیا گیا ہے۔شبلی نعمانی نے ناموران اسلام کو سوانح نگاری کا موضوع بنایا اور ان کی زندگی اور کارناموں کو تاریک کے سچّے تناظر میں پیش کر کے عامتہ النّاس کو اسلام کی مثالی شخصیتوں سے روشناس کرا دیا۔ الطاف حسین حالؔی نے اپنے عہد کی عظیم شخصیات کا سوانحی خاکہ مرتّب کیا اور سرسیّد اور غالبؔ کو ان کے افعال و اعمال کی روشنی میں پرکھا اور عوام کو ان سے روشنی اکتساب کرنے کی دعوت دی۔ حالؔی کی ''حیات سعدی'' بھی اسلاف کے کارناموں کو ابھارنے اور احیائے قومی کو برروئے کار لانے میں معاونت کرتی ہے۔

اسی نقطۂ نظر سے سرسیّد نے آئین اکبری، تزکرہ جہانگیری اور تاریخ فیروز شاہی دوبارہ مرتب کیں۔شبلی نے سیرۃ النبیؐ، الفاروق۔ المامون اور ''اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر'' لکھیں۔اور مولوی ذکاءاللہ نے'' تاریخ ہندوستان تالیف کی۔علی گڑھ تحریک نے مسلمانون کے شاندار ماضی کی قصیدہ خوانی نہیں کی اور نہ ہی اسلاف کی عظمت سے قوم کو مسحور کیا۔سرسیّد کا ایقان تھا کہ'' بزرگوں کے قابل یادگار کارناموں کو یاد رکھنا اچھا اور برا دونوں طرح کا پھل دیتا ہے۔ چنانچہ اس تحریک نے تاریخ کے برے پھل سے عوام کو بچانے کی کوشش کی اور ماضی کے تزکرۂ جمیل سے صرف اتنی توانائی حاصل کی کہ قوم مستقبل کی مایوسی کو ختم کرنے کے لئے ایک معیار مقرر کر سکے۔علی گڑھ تحریک نے تاریخ نگاری کے لئے ایک الگ زبان بھی وضع کی۔

چنانچہ علی گڑھ تحریک نے غیر شخصی اسلوب کو مروّج کیا اور اسے غیر جانبداری سے تاریخ نگاری میں استعمال کیا۔

بلاشبہ تاریخ کا بیانیہ انداز نثر کی بیشتر رعنائیوں کو زائل کر دیتا ہے تاہم سرسیّد تاریخ کو افسانہ بنانے کے حق میں نہیں تھے اور وہ شخصی تعصبّات سے الگ رہ کر واقعات کی صادق شیرازہ بندی کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ انہون نے تاریخ نگاری کے لئے سادہ بیانیہ نثر استعمال کرنے پر زور دیا اور اس نقطۂ نظر کے تحت ''آثار الصّنا دید'' کی بوجھل نثر کو دوسرے ایڈیشن میں دادہ اور آسان بنا دیا۔

علی گڑھ تحریک نے زندگی کے جمال کو اجاگر کرنے کے بجائے مادی قدروں کو اہمیت دی۔ چنانچہ ادب کو بے غرج مسرّت کا ذریعہ سمجھنے کے بجائے ایک ایسا مفید وسیلہ قرار دیا گیا جو مادی زندگی کو بدلنے اور اسے مائل بہ ارتقا رکھنے کی صلاحیّت بھی رکھتا ہے۔ ادب کا یہ افادی پہلو بیسویں صدی میں ترقّی پسند تحریک کا پیش خیمہ ثابت ہوا، تاہم یہ اعزاز علی گڑھ تحریک کو حاصل ہے کہ اردو زبان کے دورِ طفولیت میں ہی اس کی عملی حیثیت کو اس تحریک نے قبول کیا اور ادب کو عینِ زندگی بنا دیا۔ اس لحاظ سے سرسیّد کی عملی حیثیت کو اس تحریک نے قبول کیا اور ادب کو عینِ زندگی بنا دیا۔ اس لحاظ سے سرسیّد احمد خاں بقول ڈاکٹر سیّد عبداللہ سب سے پہلے ترقّی پسند ادیب اور نقّاد تھے۔ اوّل الذکر حیثیت میں سرسیّد نے ادب کو تنقیدِ حیات کا فریضہ سرانجام دینے پر آمادہ کیا اور مؤخر الذّکر حیثیت میں ادب کی تنقید کے موقّر اصول وضع کر کے اپنے رفقاء کو ان پر عمل کرنے کی تلقین کی۔

سرسیّد نے لکھا ہے کہ :

> ''ہماری زبان کے علم و ادب میں بڑا نقصان یہ تھا کہ نظم پوری نہ تھی۔ شاعروں نے اپنی ہمّت عاشقانہ غزلون اور واسوختوں اور مدحیہ قصیدوں اور ہجر کے قطعون اور قصّہ وکہانی کی مثنویوں میں صرف کی تھی۔''

چنانچہ سرسیّد نے غزل کی ریزہ خیالی کے برعکس نظم رائج کرنے کی سعی کی۔ اور اس کے فروغ میں سرسیّد کا اہم ترین کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے حالؔی سے ''مسدّس مدّو جزر اسلام'' لکھوائی اور پھر اسے اپنے اعمالِ حسنہ میں شمار کیا۔ سرسیّد شاعری کے مخالف نہیں تھے بلکہ شاعری کو نیچرل پوئٹری کے قریب لانا چاہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہون نے محمد حسین آزادؔ کے نیچر مشاعرے کی داد دی اور ان کی مثنوی ''خوابِ امن'' کو دل کھول کر سراہا۔

سرسیّد کی جدیدیت نے اس حقیقت کو بھی پالیا تھا کہ ردیف اور قافیہ کی پابندی جالات کے فطری بہاؤ میں رکاوٹ ہے۔ چنانچہ انہوں نے بے قافیہ نظم کی تخلیق پر زور دیا۔

سرسیّد کے ان نظریات کا اثر یہ ہوا کہ اردو نظم میں فطرت نگاری کی ایک موثّر تحریک چپدا ہوگئی۔ نظم جدید کے

تشکیلی دور میں علی گڑھ تحریک کے رفیق عبدالحلیم شرؔر نے سرگرم حصّہ لیا اور رسالہ ''دلگداز'' میں متعدد ایسی نظمیں شائع کیں جن میں مروّجہ جامد قواعد وضوابط سے انحراف برت کر تخلیقی رو کو اظہار کی آزادی عطا کی گئی تھی۔

اصنافِ نثر میں علی گڑھ تحریک کا ایک اور اہم کارنامہ اُردو مجمون نویسی کا فروغ ہے اور اس کے اوّلین نمونے بھی اس تحریک نے ہی فراہم کئے۔ گزشتہ اوراق میں لکھا جا چکا ہے کہ سرسیّد نے تہذیب الاخلاق کو سیٹل اور ایڈیسن کے رسائل پیکٹیٹر اور ٹیٹلر کے انداز میں شائع کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ ان دو مصنّفوں کو سرسیّد تہذیب کا پیغمبر شمار کرتے تھے اور ان کے مضامین کی برجستگی، غیر رسمی انداز، ڈھیلے ڈھالے اسلوب اور لطافت وشائستگی کے بے حد مدّاح تھے۔ چنانچہ تہذیب الاخلاق میں انہوں نے زندگی کے مسائل کو اسی فرحت بخش انداز میں پیش کرنے کی سعی کی۔ سرسیّد کے بعض مضامین میں انگریزی ''الیسے'' کے کچھ عناصر بکھری ہوئی صورت میں ملتے ہیں سرسیّد کے پیش نظر چونکہ ایک واضح اصلاحی مقصد تھا اس لئے انگریزی ''الیسے'' کی پوری روح سرسیّد کے مضامین میں پیدا نہ ہوسکی۔ تاہم علی گڑھ تحریک اور ''تہذیب الاخلاق'' کی وساطت سے اُردو ادب کا تعارف ایک ایسی صنف سے ہوگیا جس کی جہتیں بے شمار تھیں اور جس میں اظہار کے بوقلموں قرینے موجود تھے۔

علی گڑھ تحریک کے ہر زاویے پر چونکہ سرسیّد کی شخصیّت، افکار او ۲ ر اعمال کی گہری چھاپ لگی ہوئی ہے اس لئے اس تحریک نے جو ادب پیا کیا اس کے اوّلین مثالی نمونے بھی سرسیّد نے ہی فراہم کئے۔ چنانچہ انہوں نے مذہب، تاریک، سائنس، تعلیم تہذیب غرفیکہ زندگی کے ہر موجوع پر حسب موقعہ وضرورت قلم اُٹھایا اور تقلیدِ بے جا کے برعکس ہر موضوع کو تحقیقی، تنقیدی اور عقی زاویون سے پرکھا۔ اور ان موضوعات کے نئے گوشون کو منوّر کردیا۔

6 علی گڑھ تحریک کے مقاصد اور خدمات

سرسیّد خوش قسمت تھے کہ انہیں جو رفقائے تحریک ملے ان سب میں تصنیفی صلاحیتیں بدرہ اتم موجود تھیں۔ اس دور میں تحریک نے نہ صرف ادب پیدا کیا بلکہ بہت سے ادیبون کی خفتہ صلاحیتوں کو بھی بیدار کیا اور اک دلولۂ تازہ سے انہین قومی مسائل اور علی گڑھ تحریک میں حصّہ لینے پر آمادہ کرلیا۔ یہاں سرسیّد اور علی گڑھ تحریک کے ان نامور رفقا کا تذکرہ ضروری ہے۔

علی گڑھ تحریک میں نواب محسن الملک کی حیثیت اس سپاہی کی تھی جو اپنے قائد کی آواز پر اپنا سینہ دشمن کی گولیوں کی باڑ پر رکھ دیتا ہے۔ محسن الملک اپنی ذات میں انجمن تھے۔ لیکن جب سرسیّد کے حلقہ بگوش ہوئے تو اپنی ذات کو سرسیّد کی تھریک میں ضم کردیا۔ محسن الملک تہذیب الاخلاق کے اہم مضمون نگار تھے وہ شبلی۔ ھالی اور نذیر احمد

کے مرتبے کے ادیب نہیں، تاہم ’’تہذیب الاخلاق‘‘ کے مضامین میں وہ ایک ایسے مفکّر کے روپ میں اُبھرتے ہیں، جو ادب اور زندگی کے جمود کو توڑنے اور صالح روایات کو فروغ دینے کا آرزومند ہے اور اس مقصد کے لئے اپنے قلم کو مسلسل استعمال میں لاتا ہے۔

سرسیّد کے مقاصد کو جن رفقا نے پروان چڑھانے میں قلم کی تمام وقت صرف کردی ان میں ایک اہم نام مولوی چراغ علی کا بھی ہے۔ان کا اساسی موضوع مذہب تھا۔وہ اسلام کے سچّے حامی تھے اور ان کی عمر اور محنت کا زیادہ حصّہ اس کی خدمت میں گزرا۔

نواب وقارالملک علی گڑھ کالج کو مسلمانون کی ترقّی کا ضامن سمجھتے تھے اور اس منصوبے کی کامیابی کے لئے انہوں نے ہمہ وقت کام کیا انہون سائنٹیفک سوسائٹی اور علی گڑھ تحریک کے مقاصد کو پروان چڑھانے میں پورا عملی تعاون بہم پہنچایا۔ وقارالملک اُردو کے بات عدہ مصنّف نہیں تھے۔ تاہم انہوں نے تہذیب الاکلاق میں قومی، معاشرتی، مذہبی اور اکلاقی موضوعات پر متعدد مضامین لکھے۔ وقار الملک نے سرسیّد کے سائنسی اور غالب کے شخصی اسلوب کو باہم مدغم کرنے کی کوشش کی۔اور نجّی گفتگو کو خطوط میں ادبی اظہار کا وسیلہ بنادیا۔

علی گڑھ تحریک کے سرگرم رفقا میں الطاف حسین حالؔی ایک ایسے مصنّف جن کی سادگی اور دردِ دل نے بحیثیت انسان انہیں عظیم رتبہ عطا کردیا۔اگرچہ ان کی خاکساری اور فروتنی خلقی تھی۔تاہم اس کی تہہ میں ایک غیّور انسان کا دل بھی دھڑک رہا تھا۔سقوطِ دہی کے بعد انہوں نے جو دس تحصیلِ علم میں گزارے اس میں انہون نے مسلمان قوم کی فلاکت اور اسلام کی زبون حالی کے اسباب دریافت کرنے پر بھی توجّہ صرف کی۔ چنانچہ ان کی اوّلین کتاب تریاقِ مسموم‘ پادری عمادالدّین کی غلط بیانیوں کے جواب میں ہی تھی۔

حالؔی کے مزاج کی جلالی کیفیّت بالعموم نرون سے اوجھل رہی۔حقیقت یہ ہے کہ وہ زمانے کے عام مزاج سے انحراف کا حولہ رکھتے تھے۔ چنانچہ مدرستہ العلوم میں مولوی سمیع اللہ خاں کے اعتراضات کے جواب اور لالہ سری رام دہلوی کی کتاب ’’خمخانہ جاوید‘‘ کے تبصرے میں حالی نے اپنی فکری آزادی کا پورا ثبوت فراہم کیا ہے۔حالؔی کا شمار علی گڑھ تحریک کے ان ادبا میں ہوتا ہے جنھون نے ادب کی ایک سے زیادہ اصناف پر گہرا اثر ڈالا۔حالؔی ابتدا میں غزل کے شاعر تھے لیکن علی گڑھ تحریک کے زیر اثر انہوں نے مسدّس لکھی، غزل گوئی کی نئی روایت کو جنم دیا۔سوانح نگاری میں حیات جاوید، یادگار غالب اور حیات سعدی ان کے زندہ جاوید کارنامے ہیں حالؔی کی اہمیّت یہ بھی ہے کہ انہوں نے مقدمہ شعروشاعری لکھ کر جدید شاعری کو تنقیدی اساس مہیّا کی۔حالؔی کی کتاب ’’حیات جاوید‘‘ بظاہر سرسیّد کی سوانح عمری

ہے۔لیکن حقیقت میں یہ کتاب علی گڑھ تحریک کی ایک ایسی تاریخ ہے جس میں سرسیّد کی سرگرمیوں اور تحریک کے اثر وعمل کی پوری داستان موجود ہے۔

علی گڑھ تحریک کے جس فکری زاویے کو سرسیّد نے اُبھارا تھا۔شبلی نے اسے مستحکم کرنے کی کوشش کی۔شبلی ادیب اور شاعر ہی نہ تھے، عالم اور مفکرّ بھی تھے۔اور شبلی علی گڑھ تحریک اور سرسیّد سے ہی روشنی حاصل نہین کرتے بلکہ وہ خود بھی روشنی کا مینار تھے۔چنانچہ ان کی یہ شخصی انفرادیت علی گڑھ تحریک کے لئے ایک اضافی قوت کا سرچشمہ بھی تھی۔یہی وجہ ہے کہ وہ اس تحریک کی جامع الصفات شکصیتوں میں شمار ہوئے۔وہ محقّق، نقّاد، ادیب، شاعر، خطیب، فلسفی اور متکلّم تھے۔چنانچہ انہوں نے ہر موضوع پر پوری ذمہ داری سے قلم اُٹھایا اور علمی، ادبی اور مزہبی مباحث کو اپنے منفرد دلائل اور آزاد تفکر سے سلجھادیا۔شبلی نے اپنی انفرادی فکر سے ایک جدید علم کلام کی بنیاد رکھی اور اس موضوع پر علم الکلام۔الکلام، الغزالی، سوانح مولانا روم وغیرہ کتابیں تصنیف کیں۔

سرسیّد اور شبلی ایک ہی منزل تک پہنچنے کے آرزومند تھے۔لیکن ان دونوں کے طرزِ عمل میں فرق تھا۔سرسیّد آگے بڑھنے کے لئے ماضی سے روشنی حاصل کرنے کے حق میں تھے۔شبلی گردشِ ایام کو پیچھے کی طرف دوڑانے اور دورِ عظمت کی تجدید کے خواہاں تھے۔چنانچہ ندوۃ العلماء شبلی کے اس خواب کی تعبیر تھا۔

مولوی نذیر احمد دہلوی کے مزاج کی ساخت اور پرداکت میں قدیم دلّی کالج کے اثرات زیادہ تھے۔اس زمانے میں ان کا تعارف سرسیّد سے ہو چکا تھا۔لیکن وہ سرسیّد کے حلقے میں سب سے بعد میں آئے۔اور جلد ہی علی گڑھ تحریک کے سرگرم رفقا میں شمار ہونے لگے۔نذیر احمد کی تصنیفات میں مسلمانوں کی زبون حالی پر تاسّف کا اظہار ثانو حیثیت رکھتا ہے اور انہوں نے فوقیت ایسی اصلاحی تدبیرون کو دی ہے جن سے مسلمان زمانے کے ساتھ ہم آہنگ ہو کر ترقّی کر سکیں۔نذیر احمد نے مسائل کو چونکہ قِصّہ کہانی کے انداز میں پیش کیا۔اس لئے ان کا تاثر گہرا اور حلقۂ اثر وسیع ہے۔

مولوی ذکاء اللہ دہلوی کا شمار سرسیّد کے ان رفقا میں ہوتا ہے جنہوں نے علی گڑھ تحریک کا پیغام بچون تک پہنچانے کے لئے درسی کتب تصنیف کیں۔انیسویں صدی میں عقل پرستی نے مذہب کی جامد تقلید کو بڑی حد تک کمزور کر دیا تھا اور ذکاء اللہ ایسے علم دوست تھے جنہوں نے مذہبی امور کو دلیل اور تعقّل سے سمجھنے کی کوشش کی، دامنِ عقیدت کو تعصّب سے پاک رکھا اور ارتباطِ باہمی میں مذہب کی بے جا دخل اندازی قبول نہ کی، مولوی ذکاء اللہ علی گڑھ تحریک کے کثیر التّصانیف ادیبون میں شمار ہوتے ہیں۔

وحیدالدین سلیم مولانا حالؔی کے توسّط سے سرسّد کے لٹریری اسسٹنٹ ہوکر آئے اور کچھ دنون کے بعد علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ اور تہزیب الاکلاق کی ادارت میں سرسیّد کا ہاتھ بٹانے لگے۔ سرسیّد کے فیضِ صحبت نے انہیں تحقیقی اور تنقیدی کاموں کی طرف متوجّہ کیا۔ ''وضعِ اصطلاحات'' ان کا تحقیقی کارنامہ ہے۔

عبدالحلیم شرر کا شماران ادبا میں ہوتا ہے جنھوں نے منتخب اشخاص کے ذکر مکّرر سے مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کے احیاء کی کوشش کی۔ شررؔ کی بنیادی حیثیت ناول نگار کی ہے۔ انہوں نے اسلامی ناول میں تاریخ کو پس منظر کے ور پر استعمال کیا ہے۔ اور اس میں مدح کوانی کا عنصر نمایان ہے۔ تاریخ نگاری میں شرر سرسیّد سے متاثر تھے، تاہم تاریخ میں تخئیلی واقعہ نگاری اصول تاریخ نویسی کے خلاف ہے اور شرر نے اس سے زیادہ کام لیا ہے۔ شررؔ نے رسالہ ''مہذب'' اور ''دل گداز'' کے ذریعے علی گڑھ تحریک کی معنویت کو آگے برھانے کی سعی کی۔

علی گڑھ تحریک نے جس علمی فجا کو پروان چڑھایا تھا اس کے اثمار سرسیّد کی زندگی میں ہی سامنے آنا شروع ہوگئے تھے۔ چنانچہ علی گڑھ کالج سے جو طلبہ نمایاں ہوئے ان میں اس تحریک کی صحت مند روایات کو آگے بڑھانے کی پوری صلاحیت موجود تھی۔

7 خلاصہ :

۱۸۵۷ء کی شکست وریخت صرف سیاسی شکست وریخت نہیں تھی۔ علمی، اخلاقی، تہذیبی غرضیکہ زندگی کے ہر شعبے پر اس کے اثرات مرتب ہوئے تھے۔ ذہنی اور نفسیاتی شکست خوردگی کا احساس نمایان ور پر ظاہر ہونے لگا تھا۔ مسلمانوں کے شکست کوردہ زہنوں میں خودداری، عزت نفس اور احساسِ عظمت کا جذبہ پیدا کرنے کا سہرا سرسید احمد خاں کے سر ہے۔

اس طرح علی گڑھ تھریک کا سرچشمہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی سے پھوٹا۔ سرسید نے مسلمانوں کی اصلاح اور انہیں سیماندگی سے نجات دلانے کے لئے اپنی زندگی وقف کردی۔ اور ۱۸۶۳ء میں سائنٹفک سوسائٹی قائم کرکے اپنی اصلاحی کوششوں کو باقاعدہ اجتماعی شکل دی۔ اس سوسائٹی کے قیام کے زمانے سے ہی علی گڑھ تحریک بکھری ہوئی صورت میں معرض وجود میں آگئی تھی تاہم جب سرسید سفرلندن سے ودیس آئے تو یہ تھریک اپنی منضبط صورت میں رونا ہوئی۔ لندن ہی میں انہوں نے مدرستہالعلوم کے قیام اور تہذیب الاکلاق کے اجرا کا منصوبہ بنایا تاکہ ان کے ذریعہ سوسائٹی کے مقاصد کی تکمیل اور اچھے انداز میں ہوسکے۔

سرسید کی اس علی گڑھ تحریک کا دئرہ سیاست، ادب، مفریب، معاشرت اور زبان وادب تک وسیع تھا۔ سرسید نے مقاصد کے حصول کے لئے اپنی تمام تر صلاحیتیں صرف کردیں۔ وہ ہندوستانیوں بالخصوص مسلمانوں کی سیماندگی وبدحالی کا اصل سبب جہالت کو سمجھتے تھے۔ لہذا سرسید نے تعلیم کے ذریعہ قوم کے اندرروشن خیالی، آزادئی فکروخیال، اور حالات کے حکایق خودکوڈھالنے کی سلاحیت پیدا کرنے کی کوشش کی۔ سرسید کے مذہبی اورسیاسی نظریات سے اختلاف ممکن ہے لیکن انہوں نے اردوزبان وادب کی جوگراں قدرخدمات انجام دی ہیں اس سے کسی کو بھی انکار ممکن نہیں۔

8 مشق کے سوالات :

۱۔ علی گڑھ تحریک کے اغراض ومقاصد بیان کیجئے۔

۲۔ علی گڑھ تحریک میں شامل چنداد یبوں سے واقفیت کا اظہار کیجئے۔

۳۔ شائنٹفک سوسائٹی اور ''تہذیب الاخلاق'' پہ مختصر نوٹ لکھئے۔

۴۔ سرسیداحمد خاں کی شخصیت اورافکار کا جائزہ لیجئے۔

9 مزید مطالعہ کے لئے کتابیں :

۱۔	اردوادب کی تحریکیں	۔ انورسدید
۲۔	علی گڑھ تحریک کا سماجی وسیاسی مطالعہ	۔ مظہر مہدی
۳۔	سرسیداوران کے نامور رفقا	۔ سیدعبداللہ
۴۔	علی گڑھ تحریک	۔ نسیم قریشی